اقبال اور رومانویت

ڈاکٹر محمد نواز کنول

ABSTRACT:

Iqbal and Romanticism is a research paper in which the word "Romance" has seen discussed. After the mention of western Romantic poets Romantic movement and the related writers and poets have been discussed. After Sajjad Haider Yaldram, Niaz Fateh Puri, Hijab Imtiaz Ali, Majnnun Gorakh Puri, Mehdi Afadi, Sajjad Insari, Qazi Abdul Ghaffar etc are names worth-mentioning. Akhtar Sherani was called Romentic poet. Iqbal however, has specific angles in Romenticism and it appraoches nature.

لاطینی لفظ رومانس: قدیم روم سے اخذ کیا گیا تھا اردو میں رومان اسی رومانس سے اخذ کردہ ہے اردو میں رومان سے رومانیت اور رومانوی تحریک کے حوالے سے ادبی اصطلاح میں رومانویت کے طور پر یہ لفظ مستعمل ہوا۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جب اٹلی یعنی رومانے مغرب کے بیشتر علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا تو ان علاقوں میں لاطینی زبان کا طوطی بولنے لگا اور پھر اسی زبان سے جرمنی ، فرانسیسی ، انگلش ، اطالوی اور ہسپانوی زبانوں نے جنم لیا۔ یہ زبانیں رومانی زبانوں کے نام سے مشہور ہوئیں از منہ وسطیٰ(۵۰۰ ۱ء۔۵۰۰ ء (

میں جتنے قصے کہانیاں ان زبانوں میں تخلیق ہوئے انہیں رومانی کہا جاتا ہے۔ ابتداء میں اس لفظ کا اطلاق ان زبانوں میں کہے جانے والے عشق و محبت سے بھرے ان قصوں پر ہوتا تھا۔ جو اپنے آراستہ اور پر شکوہ پس منظر کے ساتھ از منہ وسطیٰ کے خوبرو ، جنگجو اور خطر پسند نوجوانوں کی مہمات سے متعلق ہوئی تھیں بعد میں رومان کا اطلاق عشق و محبت سے متعلق باتوں ، غیر معمولی تزئین ، زیبائش ، رنگینی بیان ، فطرت پرستی ، محاکاتی تفصیل پسندی ، روایات سے انحراف اور ماضی پرستی کو رومان کہا جانے لگا۔

پر اسرار اورفوق الفطرت امور میں دلچسپی ، نئی نئی باتوں اور غرابت اشیاء کی جستجو ، فطری زندگی کی طرف مراجعت ، حسن یار کی چکا چوند ، فطرت پرستی ، خواب آلود دنیا میں کھو جانا ، معاشرتی ، اخلاقی اور تہذیبی پابندیوں سے بغاوت رومانیت کے اہم عناصر ہیں۔رومان کے خالق رزم و بزم ، حسن و عشق کی آویز شوں ، ان دیکھی فضائوں ، اجنبی جہانوں ، حال سے گریز ، ماضی و مستقبل کی خواب آلود اور راحت بار فضا میں کھوئے رہتے ہیں۔ روسو نے کہا تھا۔’’ انسان آزاد پیدا ہو ا ہے مگر جہاں دیکھو وہ پابندِ زنجیر ہے‘‘

روسو کی اس عظیم آواز کو رومانیت کا مطلع کہا گیا ہے۔ انسانی آزادی کے اس پیغام کے ساتھ ہی اک نئے دور کا آغاز ہوا ۔ روسو کے نزدیک تہذیب و تمدن انسانی سکول کی راہزن ہے اگر انسان راحت و مسرت کا جویا ہے تو اسے گزشتہ زمانے میں لوٹنا ہوگا۔ روسو کے ان خیالات کی یورپ میں خصوصاً جرمنی میں خوب پذیرائی ہوئی جو بعد میں رومانی اصطلاح کا ایک حصہ قرار پائے۔ جزائر برطانیہ میں ولیم بلیک ، کالرج ، ورڈزورتھ ، شیلے ، بائرن ، اورکیٹس ، رومانی شاعری کے خالق تھے جب کہ نثر میں والٹر پیٹر پیش پیش تھا۔

رومانیت کا تعلق چونکہ ظاہر کے بجائے غیر ظاہر ، حقیقت کی بجائے غیر حقیقت اور شعور کی بجائے لا شعور سے ہے اس لیے یہ ایک بے حد پیچیدہ نفسیاتی کیفیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کے کئی زاویے تو سامنے آ چکے ہیں لیکن اس کی جامع تعریف مرتب نہیں ہوسکی۔ (لوگان پیرسل سمتھ (LOGAN PEARCELSMITH) کے مطابق یہ لفظ وارٹن اور ہر ڈر نے پہلی مرتبہ ادبیات میں استعمال کیا۔ گوئٹے اور شیلے میں ۱۸۰۲ء میں اس کا اطلاق ادب پر کیا۔ ایچ۔ ایل لوکس نے اس کے آثار قدیمہ آٹھویں صدی میں تلاش کیے ہیں اور اسے نئی زبان (LINGUA ROMANICA) سے مشق قرار دیا ہے۔ جو سلطنت روم پر وحشی قبائل کے یلغار کے بعد سرکاری لاطینی کے مقابلے میں پروان چڑھی - (۱) رومانیت میں جو بلند پروازی ، وحشت اثری ، خود آرائی اور صاعقہ انگیزی موجود ہے اسے مد نظر رکھیں تو اس لفظ کو وحشی قبائل سے منسوب کرنا قرین قیاس نظر آتا ہے تاہم یہ لفظ کسی جامد مفہوم کو ادا نہیں کرتا بلکہ اپنے بنیادی مزاج کے مطابق مختلف ادوار میں تغیر کے متعدد مراحل سے گزر چکا ہے ایک طویل عرصے تک فرانس ، سپین اور اٹلی میں رومان کا لفظ عوامی ادب کے لیے استعمال ہوتا رہا۔ انگریزی میں اس سے مراد پرانی عشقیہ داستانیں لیا جاتا رہا آکسفورڈ ڈکشنری میں یہ لفظ پہلی مرتبہ ۱۶۳۸ء میں شامل کیا گیا - (۲(

مادام ڈی سٹل (MADAME-DE-STAEL) نے ۱۸۰۱ء میں اسے ایک واضح مفہوم عطا کیا اور رومانی تحریک کا مزاج متعین کرنے کے لیے اس لفظ سے گراں قدر معاونت حاصل کی چنانچہ ایچ - ایل لوکس کے بقول یہ لفظ پہلے ایک مخصوص زبان کے لیے استعمال ہوا۔ پھر اس سے مراد ایک خاص قسم کا ادب لیا گیا اور بالآخر رومانیت کو وہ ماورائی عنصر قرار دیا گیا جو اس مخصوص ادب میں جزو خاص کے طور پر شامل تھا (۳) رومانیت اس کیفیت کو پا لینے کا نام ہے جب انسان کا مادی وجود ہمہ تن جذبے میں تحلیل ہو کر جسم کو پر لگا دیتا ہے ظاہر ہے کہ یہ غیر مرئی کیفیت تخیل کی بے پایاں فراوانی کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں بلیک نے تخیل کو رومانی عمل کا مخرج تسلیم کیا ہے۔ بیشتر رومانی شعراء اس بات پر متفق ہیں کہ شاعری کا جادوئی عنصر تخیل کا کرشمہ ہے اور اس کا تعلق مافوق الفطرت قوت کے ساتھ قائم ہے جس کا ادراک حواس خمسہ نہیں کر سکتے۔ اس مافوق الفطرت کا ادراک رومانویت کا مطمع نظر ہے۔ چنانچہ اس کی تلاش میں رومانوی ایک ماورائی دھند میں کھو جاتا ہے اور ستاروں پر اتنی دیر تک نظریں جمائے رکھتا ہے کہ کرئہ ارض فراموش ہو جاتا ہے۔ (۴) ایک رومانوی فن کار حقیقت اولیٰ کے ساتھ رشتہ پیوند خود فراموشی کے ساتھ جوڑتا ہے اور اپنے لا شعور کے ذریعے مقام عرفان کو سر کر لیتا ہے۔

چنانچہ قدیم راہبوں کی طرح رومانوی بھی فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ قدیم محلات ، پرانی تصویریں ، کہنہ تاریخیں اور ماضی کے کھنڈرات اسے صدیوں پرانے زمانے میں زندگی کی سانس لینے کا موقع فراہم کرتے ہیں عرفان کے کسی ایسے ہی لمحے میں کالرج نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش '' میں ہندوستانی ویشنو کی طرح لا محدود سمندر ہیں کنول کے جھولے میں نیند میں ڈوبا ہلکورے لیتا رہوں اور ایک سال کے بعد صرف ایک لمحے کے لیے آنکھ کھولوں صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ اب پھر میں ایک لاکھ سال کے لیے نیند کی آغوش میں ڈوب جانے والا ہوں'' کالرج کی یہ خواہش اس معصوم بچے کی آرزو کے مشابہ ہے جو ماں کی آغوش میں پناہ لیتا ہے تو پھر اس سے الگ ہونے پر آمادہ ہی نہیں ہوتا رومانویت میں بچے کی معصومیت کو تقدس کا درجہ حاصل ہے کیوں کہ وہ بڑی عمر کے لوگوں کے بہ نسبت فطر ت سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (۵ (

رومانوی فنکار شہر کی ہاو ہو سے الگ ہو کر ندیوں ، کوہساروں ، آبشاروں ، وادیوں اور سبزہ زاروں کی معطر تنہائی میں فطرت کو آواز دیتا ہے۔ ----- تو وہ در حقیقت مادرِ مشفق کو ہی آواز دیتا ہے اور فطرت اس سے ہم کلام ہوتی ہے عورت کا یہ رومانوی روپ سراسر تخلیقی ہے اور اس میں مشرقی شہزادیوں کا حسن ، پھولوں کی نکہت ، کہکشائوں کی چاندنی اور نسیم سحر کی تازگی ---- سب کا امتزاج فنکار کے حسن و نظر کے عین مطابق موجود ہوتا ہے بلکہ و فور جذبات میں اس کے دل سے گیت اور نغمے ابلنے لگتے ہیں۔ دنیائے آب و گل سے یہ بے نیازی اور فطرت کے ساتھ یہی والہانہ ہم آغوشی رومانوی فنکار کا مقصودِ اول ہے اس زاویے سے دیکھئے تو کتنے ہی نوجوان شعراء جذبے کی اس تیز رومانوی آنچ کا سامنا نہ کر سکے اور اپنے دل کی چتا میں جل کر بھسم ہو گئے ان میں کیٹس اور شیلے بھی شامل ہیں جو بتدریج چھبیس اور تیس سال کی عمر میں مر گئے اور جرمنی کا نو عمر شاعر ہائوف (HAUF)بھی جس نے پچیس سال کی عمر میں وفات پائی ورڈز ورتھ نے لکھا ہے کہ

''ہم شعراء جوانی میں مسرت سے ابتدا کرتے ہیں لیکن انجام بالآخر مایوسی اور ہذیان پر ہوتا ہے''

ان سطور میں ورڈز ورتھ نے اس کرب کا اظہار کیا ہے جس سے رومانوی فن کار بیشتر گزرتا ہے۔ رومانوی فنکار ان صبا رفتار اور گریز اں کیفیات کا تعاقب کرتا ہے اور انہیں اپنے تخیل میں گرفتار کرکے ایک شکل دے دیتا ہے ۔ (۶) ڈاکٹر سید عبداللہ نے رومانیت کے اس زاویے کو ایسی وہ بہشت غفلت '' سے تعبیر کیا ہے جس کی تہہ میں حقائق کی تلخیوں سے گریز کی خواہش کار فرما ہوتی ہے۔ (۷) رومانوی فنکار کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ لفظ کو جامد صورت میں استعمال نہیں کرتا بلکہ جذبے کی لطیف ترین تہہ کے اظہار کے لیے نئی تمثال تخلیق کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (۸) رومانیت میں آزادہ روی ، انفرادیت ، تحفظ ، انا اور بغاوت کا عنصر بھی موجود ہے اور رومانویت وہ شرار سنگ ہے جو لہو ٹپکانے کی صلاحیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان پہلا رومانی کردار تصور ہوتا ہے جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور بقول اقبال دل یزداں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ (۹) ہم دیکھتے ہیں کہ رومانی تخیل کا جو بیج محمد حسین آزاد نے لاہور میں بویا تھا اسے تحریک کی صورت میں شیخ عبدالقادر نے پروان چڑھایا رسالہ مخزن اپنے دور کا ایسا صحیفہ ہے جس نے فکری آزادہ روی عمر کی حمایت کی اور اردو زبان کے ادبی سرمایہ کو فکری تنوع اور جمالیاتی حسن سے

غیر سیاسی انداز میں بڑھانے کی کوشش کی ۔ مخزن کی رومانی تحریک بظاہر سرسید کی ٹھوس مادیت اور جامد مقصدیت کا رد عمل معلوم ہوتی ہے تاہم اس کی ابتدا میں چند ایک دوسرے عوام بھی کار فرما نظر آتے ہیں ۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جب انگریزی زبان کو تدریس کا مستقل جزو بنا دیا گیا تو ہندوستانی نوجوانوں کو مغرب کے رومانی شعرا سے براہ راست تعارف حاصل ہوا چنانچہ ڈاکٹر سید عبداللہ کی اس رائے میں پوری صداقت موجود ہے کہ '' مخزن سے اس زمانے کے سب ادباء متاثر ہوئے '' اور اس کے دائرہ اشاعت میں جو ادباء جمع ہوئے ان میں اقبال ، ابوالکلام آزاد ، سید سلیمان ندوی ، سجاد حیدر یلدرم ، آغاز حشر قزلباش ، مرزا محمد سعید ، ظفر علی خان ، غلام بھیک نیرنگ ، خوشی محمد ناظر ، محمد لطیف الدین احمد ، راشد الخیری ، مہدی حسن افادی ، تلوک چند محروم ، اکبر الہ آبادی ، احسن لکھنوی ، طالب بنارسی ، سرور جہان آبادی ، محمد علی جوہر ، عزیز مرزا ، سید نذیر حسین ، سلطان حیدر جوش ، خواجہ حسن نظامی ، محمد اکرام اور شیخ عبدالقادر کے اسمائے گرامی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مخزن کے نامہ نگاروں کی اس نا مکمل فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ احساس قوی ہو جاتا ہے کہ ان میں سے بیشتر ادباء نے اردو زبان کو اک خاص ماورائی لطافت سے آشنا کیا اور طاقتور متخیلہ کے بل بوتے پر رومانی تصورات کو فروغ دینے کی سعی کی (۱۰(

اردو ادب میں خارجی لٹریچر کے زیر اثر رومانوی تحریک کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ سجاد حیدر یلدرم نے برصغیر میں سب سے پہلے یورپی رومان پرستی کی اساس رکھ کر رومانی تحریک کا باقاعدہ آغاز کیا ان کے افسانے ، انشائیے سب تخیل کی فراوانی کے مظہر ہیں خارستان و گلستاں ، دوست کا خط ، اگر میں صحرا نشیں ہوتا ، سودائے سنگین اور سیل زمانہ '' وغیرہ ان کی رومان پرستی کی جیتی جاگتی دلیل ہیں حسن کے پرستار یلدرم نے اپنے افسانوں میں عورت کو پیش کیا ہے جذبات نگاری یلدرم کا خاص وصف ہے ۔ یلدرم کی آمد کے ساتھ ہی حقیقت پسندی اور عقلیت و استدلال کے اونچے برج جو سرسید اور ان کے رفقائے کار نے بڑی کاوشوں اور عرق ریزیوں کے بعد تعمیر کیے تھے نوجوان ادباء نے الٹ کر رکھ دئیے اور وہ والہانہ وبے تابانہ رومانوی تحریک کے کارواں میں شامل ہوگئے۔ رومانی تحریک کے ان متوالوں میں نیاز فتح پوری ، حجاب ، مجنوں گورکھ پوری، مہدی افادی ،سجاد انصاری ، قاضی عبدالغفار وغیرہ شامل ہیں جب کہ اختر شیرانی اور جوش وغیرہ رومانی شعرا ہیں۔

اختر شیرانی نے اپنے لیے نئے جہان اور نئے نئے آسمان تلاش کیے جن میں شوق جمال ، ذوق حسن اور جذبات کی لہر ہے۔ شیلے کا اضطراب ، کٹیس کی پیکر پرستی اور بائرن کا جوش و جذبہ ان کے مزاج کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ ایک رومان پرست کی صورت میں جوش بھی حسن فطرت کے عاشق ہیں۔ ماضی سے والہانہ پیار ، وطن سے جذباتی وابستگی اور افسردگی و غم سے خاموش لگائو ہے ۔ حفیظ جالندھری کی شاعری میں رومانویت نئے انداز میں جلوہ گر ہے حقیقت یہ ہے کہ رومانویت کے فروغ میں مخزن نے ادبی مجلے کے منصب سے بلند ہو کر ایک ادارے کا کام سر انجام دیا ہے اور اس دور کے تمام ادیبوں کو جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال بھی شامل ہیں جدید رومانی نظریات سے متاثر کیا ۔ (۱۱) مخزن کی بساط ادب سے جو رومانی ادباء و شعراء نمایاں ہوئے ان میں اولیت اقبال

کو حاصل ہے اقبال کی ابتدائی تربیت عربی اور فارسی کے گہواروں میں ہوئی تھی اور وہ ان نو افلاطونی افکار سے جن کا اظہار فارسی اور اردو کے قدیم شعرا نے بہ تکرا کیا تھا متاثر تھے۔ یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران اقبال مغرب کے رومانی شعراء سے متعارف ہوئے چنانچہ وہ نہ صرف اس شاعری سے متاثر ہوئے بلکہ رومانیت نے ان کے ذہن و قلب پر بھی تسلط جما لیا۔

مخزن کی رومانوی لطافت نے اقبال پر بڑا واضح اثر ڈالا چنانچہ ان کی ابتدائی شاعری صرف آرزئوں اور تمنائوں کی شاعری ہے وہ ندی نالوں کے خروش میں لطافت محسوس کرتے پہاڑوں کی بلندی انہیں زمین سے بلند ہو کر ستاروں سے ہم کلام ہونے کی دعوتی دیتی۔ بلبلوں کے نغموں اور قمریوں کے زمزموں میں انہیں لحنِ داودی جاگتا ہوا محسوس ہوتا اور شام کے ملگجے دھندلکوں میں انہیں سکون ابدی نظر آتا ۔ یہ رنگ اقبال کا مستقل رنگ اظہار نہیں بلکہ جوں جوں زندگی کے معنوی اسرار کھلتے گئے تلاش اور جستجو کی لگن بڑھتی گئی اور فکر کی گہرائی کے ساتھ ہی ایک منظم و مربوط فلسفہ حیات نمایاں ہوتا گیا۔

اقبال نے گرے ہوئے انسان کو رفعت کا راستہ دکھایا ہے چنانچہ فرد جو زمیں کے ساتھ فطری لگائو کی وجہ سے کائنات سے بالکل کٹ چکا تھا۔ ان کی وساطت سے اپنا کھویا ہوا مذہب واپس لیتا ہوا نظر آتا ہے۔ اقبال کی فکری تحریک اس لیے بھی بہت اہم ہے کہ اس میں عقلیت پسندی۔ استدلالیت ، حقیقت نگاری اور رومانیت سب کا امتزاج موجود ہے۔ تشکیل پاکستان کے بعد معرض وجود میں آنے والی تمام ادبی تحریکوں میں علامہ اقبال کی متذکرہ تحریک کا اثر کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہے۔ (۱۲) ۔ اقبال کی رومانیت کا اولین اظہار اس وقت ہوا جب انہوں نے مشرقی انداز اظہار کو برقرار رکھنے کے باوجود مغربی شاعری کی اقدار کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کی ورڈ زورتھ کے مطالعہ نے انہیں جمال فطرت کو سمجھنے اور پھر انسان پر اس کا مفہوم آشکار کرنے پر آمادہ کیا۔ اقبال کی رومانیت کا اولین زاویہ حسن ازل کی طلب و جستجو میں ظاہر ہوا یہ حقیقت اس بات سے عیاں ہے کہ اقبال نے فطرت کی تصویر کشی اپنے معاصر شعراء کے انداز میں خارجی بیانیہ زاویے سے نہیں کی بلکہ انہوں نے فطرت کے پر اسرار داخل میں جھانکنے کی کوشش کی اور ظاہر کے پردوں میں چھپے ہوئے جہان معنی کو دریافت کیا۔ اقبال نے ابر کوہسار، آفتاب ، چاند ، شمع ، ستارہ صبح ، موج دریا ، طفل شیر خوار اور جگنو وغیرہ کو مخاطب کیا اور اپنے استعجاب کا اظہار کیا جو رومانویت کی دھندلی روشنی میں ملفوف تھا چنانچہ اقبال کے ہاں اولین سطح پر مستی ، کیف دوام ، سر خوشی اور سرشاری کی کیفیت پیدا ہوئی اور اس نے حسن و جمال کی پرستش کچھ اس خود فراموشی سے کی کہ فطرت خود ان کے ساتھ ہم کلام ہو گئی اور وہ شاہد رعنائے فطرت نظر آنے لگے(۱۳)۔ ان اشعار میں ان کے خیالات کی خوبصورتی اور انداز حسن بخوبی جھلکتا ہے:

محفل قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن
حسن کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضو گستری ، شب کی سیہ پوشی میں ہے

اگلے شعر میں کہتے ہیں:

چشمۂ کہسار میں ، دریا کی آزادی میں حسن
شہر میں ، صحرا میں ، ویرانے میں آبادی میں حسن

حسن ازل کی جھلک اقبال یوں دکھاتے ہیں:

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انسان میں وہ سخن ہے غنچے میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ ، یاں درد کی کسک ہے

رومان پرور خیالات کا خالق اقبال سکوت میں بھی اک لذت پاتا ہے اور یہ لذت حسن جمال کو تقویت بخشتی ہے:

گھر بنایا ہے سکوت دامن کہسار میں
آہ یہ لذت کہاں موسیقی گفتار میں

اس کے بعد کہتے ہیں:

ہم نشین نرگس شہلا رفیق گل ، ہوں میں
ہے چمن میرا وطن ہمسایہ بلبل ہوں میں

اقبال کے ان اشعار میں جذباتی تموج ، رومانی اہتزاز کے پہلو بہ پہلو موجزن نظر آتا ہے تاہم انہوں نے اسماعیل میرٹھی ، محمد حسین آزاد ، حیدر علی نظم طباطبائی اور سرور جہاں آبادی کی طرح فطرت کا خاموش بیانیہ مرتب نہیں کیا بلکہ وہ اس ذی روح فطرت کے مدح خواں ہیں جس کا پرتو کائنات کے گرد و پیش پھیلا ہوا ہے اور جس میں حسن ازل کی جھلک نظر آتی ہے:

چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا ناز نینوں میں

اگلے اشعار میں فرماتے ہیں:

جس کی چمک ہے پیدا جس کی مہک ہویدا
شبنم کے موتیوں میں ، پھولوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنگامہ جس کے دم سے کاشانہ چمن میں

اقبال نے مغرب کے رومانی شاعروں کی طرح اپنے آپ کو فطرت میں ضم نہیں ہونے دیا بلکہ انہوں نے اس جمال جہاں آراء سے بلند ہونے کی کوشش بھی کی ہے اور یہی بلند تفکر و تدبر ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

اقبال کی رومانویت میں تحیر جلوہ کا قیمتی عنصر دامن دل کش ہوتا ہے اور وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہے کہ آفرینش کائنات سے قبل روح کو حسن ازل کی حضوری نصیب تھی چنانچہ اقبال نے اس گم

گشتہ شے کو تلاش کرنے کے لیے فرد کو مائل بہ جستجو کیا اور فطرت کی بو قلموں رعنائیوں میں گم ہو جانے کے بجائے اس رومانوی اضطراب کا اظہار کیا ہے ؎

روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس
ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثل جرس

ایک اور شعر میں کہتے ہیں:

حسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بے تاب ہے
زندگی اس کی مثال ماہی بے آب ہے

ایک اور مقام پر اقبال فرماتے ہیں:

جلوۂ حسن کہ ہے جس سے تمنا بے تاب
پالتا ہے جسے آغوش تمنا میں شباب

حسن و عشق کے حوالے سے شاعر کہتا ہے:

آہ ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
خاتم دہر میں یارب وہ نگیں ہے کہ نہیں

اقبال کی اس قسم کی نظموں میں حسن ازل کی جھلکیاں ہی نظر نہیں آتیں بلکہ ان میں عشق حقیقی کی تپش بھی نظر آتی ہے اور وہ ایک ایسے رومانی شاعر کا روپ اختیار کرتے ہیں جو آفاق کی وسعتوں سے ہم کلام ہے۔ (۱۴) اقبال کی رومانویت کا دوسرا زاویہ ماضی کی عظمتوں کو اجاگر کرتا ہے اہم بات یہ ہے کہ جمال فطرت سے عظمت ماضی کی طرف مراجعت اقبال کی مریضانہ روش نہیں بلکہ اقبال کی رومانویت نے ماضی سے جوہر حیات کشید کیا اور سر زمین عرب کے ان شہسواروں کو ذہنی سطح پر زندہ کیا۔ جنہوں نے اپنے تہور اور شجاعت سے اقوام عالم پر فتح و نصرت حاصل کر لی تھی۔ اقبال کے ہاں رومانویت کی یہ صحت مند کروٹ اس وقت ظاہر ہوئی جب انہوں نے ہندوستاں کے زنداں سے نجات حاصل کرکے یورپ کی آزاد فضا میں پرواز کی ہم دیکھتے ہیں کہ اولین دور میں اقبال فطرت کے اسرار معلوم کرنے میں سرگرداں ہیں۔ حسن و عشق کے نظریات کی شاعرانہ ترجمانی کی سعی کرتے ہیں اور فطرت کو معصومانہ حیرت سے دیکھتے ہیں۔ یورپ سے واپسی پر اقبال کی رومانوی جست تحیر اور استعجاب کی بیشتر منازل طے کر چکی ہیں جو آنے والے ادوار میں شعراء کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اقبال نے زندہ وقت کے اس بیکراں دھند لکے میں ہی قوموں کے عروج و زوال اور نو بہ نو انقلابات کا مشاہدہ کیا اور مرد مومن کی کاوشوں کو عاشق کا حاصل قرار دیا کہ یہ لازماں ولا مکاں ہے چنانچہ ’’اقبال نے وقت کے اس تناظر میں جو خواب دیکھے اور جن تصاویر کا مشاہدہ کیا انہیں نہ صرف حیات ابدی حاصل تھی بلکہ ان میں رومانوی اہتزاز کا سامان بھی موجود تھا۔ (۱۵) ان اشعار میں اقبال کے خیالات ملاحظہ کیجئے:

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بوئے یمن آج بھی اس کی ہوائوں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نوائوں میں ہے
اگلے شعر میں شاعر کہتا ہے:
آبِ روانِ کبیر تیر ے کنارے کوئی
دیکھ ر ہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
ان اشعار میں اقبال کی رومانیت نئے رنگ میں جلوہ فگن ہے:
وادی و کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پرسوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت
کشتی دل کے لیے سیل ہے عہدِ شباب

اقبال کے ان اشعار میں وہ سحر آفرینی موجود ہے جو رومانیت کی جان ہے اس کی ایک عمدہ مثال اقبال کی نظم ''ذوق و شوق'' ہے اس نظم کا فنی پیکر ''مسجد قرطبہ '' کے تخیلی انداز میں ہی مرتب ہوا ہے اس نظم میں طلسمات کی ایک دنیا آباد دکھائی دیتی ہے ۔ اقبال کے اس رومانی حیرت کدے کے چند مناظر درج ذیل ہیں:

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
اگلے دو اشعار میں اقبال کارو مانوی رنگ یوں جھلکتا ہے:
گرد سے پاک ہے ہوا برگِ نخیل دھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
آگ بجھی ہوئی اِدھر ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

اقبال نے ماضی کے رومانی زاویے سے صرف سحر آفرینی کی سعی ہی نہیں کی بلکہ ماضی کی اساس پر یوٹوپیا بھی تخلیق کیا اور افراد کی عظمت ماضی سے حال و مستقبل کو سنوارنے کا عزم نو دیا اقبال کی رومانی شاعری کا تیسرا اہم زاویہ رومانی کرداروں کی تخلیق میں نمایاں ہوا وہ بطور مصلح معاشرے کی جامد قدروں کو اپنے رومانوی تصورات سے بدل ڈالنے کا عزم کیے ہوئے ہے ۔

''اقبال کے اس رومانی تصور کا فکری زاویہ نظریہ خودی میں عملی زاویہ مثبت سطح پر مرد مومن اور منفی سطح پر ابلیس کے کرداروں میں موجود ہے ''علی عباس جلالپوری'' نے اقبال کے نظریہ خودی کو رومانی خود مرکزیت قرار دیا ہے۔(۱۶) اقبال کا مرد مومن کی رومانویت کا عمدہ ترین مظہر ہے:

نرم دمِ گفتگو ، گرم دم جستجو

رزم ہو یا بزم ہو ، پاک دل و پاک باز
ہو حلقہ یاراں تو برشیم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
اب ان دو اشعار میں ان کی بلندی تخیل دیکھیے:
ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
خاکی و نوری نہاد ، بندہ مولاصفات
ہر دو جہاں سے غنی ، اس کا دل بے نیاز

اقبال کے ہاں مرد مومن کے برعکس ابلیس کا کردا ر کا مجسمہ اور بدی کا نمائندہ ہے ابلیس چونکہ زندگی کی ایک اہم ثنویت کو مکمل کرتا ہے اس لیے اقبال اس کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے اقبال شاید اردو کا اولین شاعر ہے جس نے ابلیس کے رومانی کردار کو واضح خدوخال میں پیش کیا اقبال نے اسے محرک قوت کے طو رپر قبول کیا اور اسے آزادی اظہار اور قوت عمل کا مظہر قرار دیا چنانچہ ابلیس کا جبریل سے یہ استفسار بے حد معنی خیز ہے:

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصہ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟

اقبال اسے نظریہ خودی کے بیشتر اوصاف کا حامل متصور کرتے ہیں اور جس کے دستِ تصرف میں جہان رنگ و بو ہے:

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمین کیا مہر و ماہ کیا آسمان کیا میں کیا تو
خضر بھی بے دست و پا ، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم ، دریا بہ دریا ، جُو بہ جُو

گویا اقبال نے مرد مومن کے مثبت رومانی اوصاف ابھارنے کے لیے ابلیس کے کردار سے اہم خدمت لی ہے ۔

اقبال کی شاعری میں جس طرح مسلسل ارتقاء ملتا ہے اسی طرح ان کی رومانویت بھی مختلف ادوار میں مائل بہ ارتقاء رہی۔ یورپ سے واپسی پر جب انہوں نے ملت اسلامیہ کی راہنمائی کا فریضہ قبول کیا تو اس وقت ان کی رومانویت فلسفے کی فکری صورت میں ڈھل گئی اور ان کی رومانویت پر فکر کی دبیز تہہ نمایاں ہو گئی اس کے باوجود انہوں نے ابتدا میں مخزن کی لطیف رومانوی تحریک کو چمکانے کے لیے مغربی شعراء کے تراجم کیے اور اردو شاعری کو چند ایسی جاندار نظمیں دیں جن کا مایہ خمیر انگریزی مگر پیکر مشرقی تھا ان نظموں میں اقبال نے اپنے رومانوی تصورات کو منفرد انداز میں پیش کیا اور انسان کے داخل اور خارج میں ہم آہنگی پیدا کر دی آخری دور میں اقبال کے مثبت رومانوی عمل نے فرد کے متزلزل یقین کو ثبات مہیا کر دیا جو اس کی شاہراہ زیست بھی ٹھہرا اور حاصل سفر بھی!

''اقبال کی رومانویت انفعالیت کے برعکس بے حد فعال ہے اور اس کی تخلیقی لپک نے برصغیر کا تاریخی ، فکری ، ثقافتی نقشہ بدلنے میں مثبت اور اہم کردار سر انجام دیا ہے۔ (۱۷ (

اقبال کی شاعری کا عام رجحان رومانیت کی طرف ہے وہ قوت اور آزادی کا دلدادہ تھا اس نے محسوس کیا کہ قوت حیات کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو صورت اور نظم عطا کیا جائے جو اخلاق کے بغیر ممکن نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال نے اپنے کلام میں نظم و ضبط کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اس نے بھی اپنے آرٹ میں حقیقت پسندی اور عینیت ، رومانویت اور کلاسیکیت کا امتزاج پید اکر لیا ہے۔ (۱۸) کلام اقبال کے مطالعہ سے قلب و ذہن میں ان کی عظمت فن کی کئی دنیائیں جذب و مستی اور آزادی سے آباد دکھائی دیتی ہیں ان کے طرز ادا میں آزادی ،مستی اور جذب ایسے ملے ہوئے ہیں کہ انسان اس کے کلام کو سن کر وجد کرنے لگتا ہے وہ اپنی شخصیت کا اظہار لفظ ''قلندر'' سے کرتا ہے جس سے بڑھ کر رومانیت پسندی کے اظہار کے لیے غالباً اور کوئی دوسرا لفظ نہیں۔ رومانویت اور مزیت اس ایک لفظ ''قلندر'' میں آ گئی ہے ؎

زبرون در گز شتم زدرون خانہ گفتم
سخن ناگفتہ را چہ قلندرانہ گفتم

وہ اپنی قلندری کو اپنی شاعری سے بھی زیادہ اہم سمجھتا ہے کہ وہی اس کی مقبولیت کار از ہے:

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

وہ اپنے ہم مشربوں کو اپنی بزم قلندرانہ میں شرکت کی دعوت دیتا ہے:

بیابہ مجلس اقبال ویک دو ساغر کش
اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

ایک اور مقام پر اقبال نے ان چیزوں کو گنایا ہے جو وہ بطور تحفہ بزم شوق یعنی زندگی کے لیے لایا ہے یہ سب چیزیں رمزیت اور رومانویت کی جان ہیں ۔ اقبال کی نظم ''تسخیر فطرت'' میں میلاد آدم اور انکار ابلیس کا قصہ بیان ہوا ہے شیطان کا کردار ایک خالص رومانی کردار ہے اس کی دستاں آرٹ کا ایک زبردست المیہ ہے ۔

پیکر انجم زتو ، گردش انجم زمن
جاں بجہاں اندرم ، زندگی مضمرم

اقبال نے '' پیام مشرق '' میں ایک اور نہایت دلچسپ رومانی موضوع پر طبع آزمائی کی ہے انہوں نے ''حور و شاعر'' کے عنوان سے ایک نظم المانوی شاعر گوئٹے کی اسی موضوع کی نظم کے جواب میں لکھی ہے اس میں رومانوی انداز کی جھلک اپنے اندر تحرک و جستجو اور پیام امید رکھتی ہے حور شاعر کو اس طرح خطاب کرتی ہے ؎

نہ بہ بادہ سیل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب ایں کہ تو نہ دانی رہ و رسم آشنائی

شاعر اس کا جواب اس طرح دیتا ہے:
چہ کنم کہ فطرت من بہ مقام در نسازد
دل نا صبور دارم چوصبا بہ لالہ زارے
آخر پر شاعر یوں کہتا ہے:
دل عاشقاں بمیرد بہ بہشت جاودا نے
نہ نوائے درد مندے نہ غمے نہ غم گسارے

رومانوی موضوع جو رمزو کنائے کے ذریعے بیان ہوں اکثر پھڑکتے ہوئے اور بعض اوقات مبالغہ آمیز ہوتے ہیں لیکن ''اقبال فنی ضبط کے ساتھ ایسی ایمائی کیفیت پیدا کرتا ہے جو مبالغے سے عاری ہوتی ہے'' (19) اقبال مصور کی مانند ہلکے سے خط کے ذریعے جہان معنی پیدا کر دیتاہے جن کی گہرائی کا اندازہ بلند ادراک سے ہی ممکن ہے ان کی نظم ''مسجد قرطبہ'' جدید اردو ادب کا شاہکار ہے اس میں آرٹ تاریخ اور فلسفہ کو بطریق احسن یوں سمویا گیا ہے کہ ذہن انسانی لطف اندوز ہوتا اور داد دیتا ہے۔ شاعر کے نزدیک زندگی ایک متحرک حقیقت ہے اور تغیرو انقلاب اس کے لازمی عناصر ہیں :

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات

سلسلہ روز و شب تارحریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

اقبال نے اپنی نظم ''حقیقت حسن'' میں محاسن لفظی و معانی کا خوب استعمال کیا ہے انہیں قوت اور جوش حیات میں حسن نظر آتا ہے اقبال دوسرے رومانویت پسندوں کی طرح قوت حیات کا قدر دان ہے۔ اپنی نظم ''جلال و جمال '' میں وہ افلاطوں کی تیزی ادراک کے مقابلے میں زور حیدری کو زندگی کے لیے اہم سمجھتا ہے ؂

میرے لیے ہے فقط زور حیدری کافی
تیرے نصیب فلاطوں کی تیزی ادراک

اقبال کے نزدیک حسن اور صداقت ایک ہیں ان کے نزدیک حسن آئینہ حق ہے اور دل آئینہ حسن اپنی نظم ''شیکپئر'' میں کہتے ہیں:

برگِ گل آئینہ عارض زیبائے بہار
شاہد مے کے لیے ججلہ جام آئینہ
حسن آئینہ حق او دل آئینہ حسن
دل انساں کو ترا حسن کلام آئینہ

اقبال رومانویت کے حوالے سے عمل و حرارت کے پیام بر ہیں ان کے نزدیک محبت کا مطلوب کبھی حاصل نہ ہونا چاہئے وہ حصول مقصد کے لیے دائمی کلفت کو سرمایہ عشق متصور کرتے ہیں ؂

ہر نگارے کہ مرا پیش نظر می آید
خوش نگارے است ولے خوشتر ازاں می با بائیست

ایک جگہ پر فلسفہ زیست کو یوں بیان کرتے ہیں:

نا صبوری ہے زندگی دل کی
آہ ! وہ دل کہ ناصبور نہیں

اقبال حسن و عشق کی ابدی داستاں کو ایسے دل پذیر سروں میں بیان کرتے ہیں جو نغمہ حیات سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ شاعر ستارے کی طرح دیدہ باز رہتا ہے ؂

من اگرچہ تیرہ خاکم دلکے است برگ و سازم
بہ نظارہ جمالے چو ستارہ دیدہ بازم

اقبال کی اقلیم سخنوری میں رومانوی عناصر کی بڑی اہمیت ہے ان کی ''ایک کا بیان ---- '' ''---کی گود میں بلی دیکھ کر ، اور پھول کا تحفہ عطا ہونے پر '' دونوں مختصر نظمیں ہیں اور کسی حسین کی شاد کامی اور شاعر کی محرومی پر مشتمل ہیں لیکن دونوں کا فنی برتائو اور شعری تاثر یکساں ہے اس برتائو کا تاثر حسن و حزن اور ایک آگہی کا ارتعاش ہے پہلی نظم میں ایک حسین کے آغوش میں بلی کی تصویر کھینچ کر ادائے حسن اور احساس عشق کی شوخیاں دکھائی ہیں جب کہ دوسری دست حسن کی گل چینی اور گل عاشق کی نا مرادی کا نقشہ پیش کرتی ہے حسن کے تعلق سے شاعر کا جذبہ عشق کبھی بلی سے رقابت محسوس کرتا ہے کبھی پھول سے اور دونوں صورتوں میں رشک محرومی اور کے سبب آگہی کا باعث ہوتا ہے یہ رومانیت کا فلسفہ بھی ہے اور فلسفے کی رومانیت بھی (۲۰) حسن ، حسن و عشق ، وصال ، جلوہ حسن ، عاشق ، ہرجائی ، فراق ، پیام وغیرہ حقیقت حسن کا مفہوم اس کی ابتدا و انتہا دو اشعار سے ہی واضح ہے ؂

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ تو نے مجھے لازوال کیا
چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

اس خوبصورت نظم میں حسن کو عارضی و فانی قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ '' جلوہ حسن'' میں دنیا کے وجود ہی پرشبہ ظاہر کیا گیا ہے:

آہ ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
خاتمِ دہر میں یارب وہ نگیں ہے کہ نہیں

کیا عشق حقیقی کا عرفان عشق مجازی میں فراق سے حاصل ہوتا ہے'' عاشق ہر جائی'' حسن و عشق دونوں کے مختلف پہلوئوں اور ان کی متعدد تہوں کو پیش کرکے گویا اس سوال کا جواب دینے کی

کوشش کرتی ہے اس نظم کے جس حصہ میں شاعر کے جذبات و احساسات کا اعتراف ہے دو حصے ہیں پہلے میں شاعر اپنی طبع کو مجموعہ اضداد بتائے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی ''ہستی'' کا ہے آئین تفنن پر مدار '' یہی وجہ ہے کہ حسن مجازی کے متعلق اس کے رویے میں اس تضاد و ابہام کی گنجائش ہے:

حسن نسوانی ہے بجلی تیری فطرت کے لیے
پھر عجب یہ ہے کہ تیرا عشق بے پرواہ بھی ہے

دوسرے حصے میں اس تضاد و ابہام کی توضیح و تطبیق اس طرح سامنے آتی ہے:

گو حسین تازہ ہے ہر لحظہ مقصود نظر
حسن سے مضبوط پیمان وفا رکھتا ہوں میں

یہ گویا نظم کے عنوان و موضوع ''عاشق ہرجائی'' کی تشریح ہے اور اگر اس تشریح کو بالکل مادی و جسمانی معنے میں لیا جائے تو ''ہرجائی '' کا لفظ ہی اک رسوائے زمانہ مفہوم رکھتا ہے اور وہ یہاں منطبق ہو جائے گا س پوری نظم کا کلیدی شعر جو اس کے اصل مطلب کی طرف صریح اشارہ کرتا ہے یہ ہے:

دل نہیں شاعر کا ، ہے کیفیتوں کی رستخیز
یا خبر تجھ کو درون سینہ کیا رکھتا ہوں میں

رستخیزی دل ہی حسن و عشق کا اصل معاملہ ہے جس پر پوری روشنی ''دل '' کے خیال انگیز نکات سے پڑتی ہے نظم اس معنی خیز بیان سے شروع ہوتی ہے ؎

قصہ دار و رسن بازی طفلا نہ دل
التجائے ارنی سرخی افسانہ دل

دل کا حسن سے کیا تعلق ہے اور اس صورت میں حسن و عشق دونوں کے معانی و مفہوم کیا ہوتے ہیں۔

اس سوال کا جواب شاعر نے خوبصورت انداز میں یوں پیش کیا ہے:

حسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد ! نہ کھودا کبھی ویرانہ دل
عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانہ دل

اس کے فوراً بعد یہ شعر نہایت معنی خیز اور خیال آفریں ہے:

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل

شاعر کیوں دیوانہ دل ہے اور دل کس کا دیوانہ ہے؟ یہ بڑے مشکل سوالات ہیں جن کے جواب کا تجسس کرنا عبث ہے اور بات پتے کی اس کے نزدیک صرف یہ ہے:

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے

برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے
لیکن ''درد عشق'' (نظم) عصر حاضر میں یہ ہے:
پنہاں تہ نقاب تری جلوہ گاہ ہے
ظاہر پرست محفل نو کی نگاہ ہے
اقبال کے ہاں مجاز ہو یا حقیقت ، دونوں صورتوں میں ''محبت'' (نظم) کے اجزاء و اثرات یہ ہیں

ہ

چمک تارے سے مانگی چاند سے داغ جگر مانگا
اڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
تڑپ بجلی سے پائی ، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفس ہائے مسیح ابنِ مریم ؑ سے
ذرا سی پھر ربوبیت سے شان بے نیازی لی
ملک سے عاجزی ، افتادگی تقدیر شبنم سے
اگلے اشعار میں خیالات کی رعنائی ملاحظہ کیجئے:
پھر ان اجزا کو گھولا چشمہ حیواں کے پانی میں
مرکب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے
مہوس نے یہ پانی ہستی نو خیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہنر نے اس کے ، گویا کارِ عالم سے
ہو جنبش عیاں ، ذروں نے لطف خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے
خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ، ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی ، داغ پائے لالہ زاروں نے

یہ حسن و عشق کا آفاقی تصور ہے جس میں کشمکش فراق و وصال کا سوال نہیں اس کا وصال بھی ایک فراق ہے اور فراق ایک وصال اس تصور پر مبنی نہ تو حسن کو زوال ہے نہ عشق کو ، نہ تو یہ حسن محدود ہے ، نہ عشق ، فطرت ہو ، انسانیت ہو ، کسی کے بھی مناظر و مظاہر کی اپنی کوئی اصلیت نہیں یہ سب پردہ مجاز ہیں جس کے پیچھے ایک بسیط ہمہ گیر ، ازلی اور ابدی حقیقت پوشیدہ ہے اور جب تک یا جس حد تک اس کی کشش موجود اور باقی ہے تمام منظر و مظاہر کی آب و تاب برقرار ہے (۲۱)

کلام اقبال میں رومان پرور خیالات اور حسن و عشق کے گلہائے خوش رنگ چمن سخن وری کی زینت ہیں۔ نظم ''ہمالہ'' اقبال کے آخری اور قطعی نظریئے کا اولین سنگ میل ہے اور مجموعی حیثیت میں رومانی نوعیت رکھتا ہے اس میں بصری اور سمعی اجزاء اپنی جگہ محکم ہیں جنہیں آگے چل کر دوسرے مختلف النوع خیالات سے متصادم ہونا پڑا ۱۹۰۸ ء تک اقبال انیسویں صدی کے انگریزی

رومانیوں کیٹس اور کولرج وغیرہ کے زیر اثر رہا اور اہم ترین بات یہ ہے اس زمانے تک شاعر مشرقی تصوف اور مغربی رومانیت کو اپنے اندر یک جا کرنے کی مشق کر رہا ہے ۔ (۲۲ (

نظم ''شیکسپیئر'' میں یہ طریق کار صاف جھلکتا ہے ''بزم انجم'' میں اقبال کی پہنچ روایتی عجمی صوفیانہ جمالیات کی دکھائی ہے ؎

حسن ازل ہے پیدا تاروں کی روشنی میں
جس طرح عکس گل ہو شبنم کی آر سی میں

اقبال کے ہاں آرزو مندی ، رومانوی رویہ ہے اور رومانوی مفکر یا شاعر یہ آرزو رکھتا ہے کہ کون سی بہترین راہ جس پر گامزن ہو کر بنی نوع انسان سر خرو ہو سکتا ہے (۲۳) گلشن اقبال میں انواع و اقسام کے گلہائے خوش رنگ سے ہر شاعر نے رنگ خاص پا کر میدان سخن میں نئی منازل کا سفر طے کیا۔

اقبال کے کئی نقادوں نے ان کے مزاج کو رومانویت سے متصف قرار دیا ہے دراصل اقبال کا تخلیقی مزاج صد رنگ میں واقع ہوا ہے ان کے ذہن کا امتیازی خاصہ رومانویت ہی ہے اور وہ منطقی ، فکری ، حقیقی ہونے کے باوصف بڑی حد تک رومانوی رنگ تخلیق اور انداز طبیعت کے مالک ہیں مثلاً انہیں غبار آلود ماضی سے لگائو اور دھندلے مستقبل کی لگن ہے وہ اندھیرے میں چھپی ہوئی دوریوں اور فاصلوں سے الفت رکھتے ہیں اور ان کے ذہن کے یہ وہ خواص ہیں جن سے انکار ممکن نہیں اور یہ سب کچھ رومانیت ہی کا پر تو ہے ان کی رومانیت سائنسی حقیقتوں کی دشمن اور ان کا تعلق ان کے تخیل کا رقیب نہیں بلکہ ہمراز و ہمدم ہے ۔ (۲۴ (

اقبال کی رومانویت کا حدود اربعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آواز سرسید کی خشک اور بے روح عقلیت کے خلاف سب سے موثر اور قوی احتجاج ہے مگر اس سے بھی انکار نہیں کہ وہ ہیت اور قواعد شاعری میں عموماً اپنی وضع پر قائم ہیں انہوں نے قدیم اسالیب اور روشوں کے ساتھ ساتھ نئے اسالیب کو بھی اپنایا ہے ان کے فکرو احساس میںر ومانیت کے چند اہم اوصاف موجود ہیں ان کے یہاں رومانویوں کی سی خلوت پسندی بھی ہے مگر یہ رومانوی خلوت پسندی ان کے عمرانی شعور کے پہلو بہ پہلو چل رہی ہے ''اس معاملے میں وہ روسو کی طرح نہیں کہ انسان کے سائے سے بھی بھاگیں وہ دراصل جرمن کے آئیڈ یلزم سے متاثر ہیں اور ادب و شعر میں بھی انہیں فرانسیسی اور انگریز رومانویوں کے مقابلے میں جرمن شعراء و ادباء ، گوئٹے ، ہائنے اور شیگل وغیرہ سے کچھ زیادہ ہی قربت حاصل ہے (۲۵)۔ اقبال اصلاً DESCRIPTION کا شاعر نہیں ترجمان حقائق اور مصور ہے ان کی شاعری کے رومانی دور میں مثلاً بانگ درا کی نظم '' دریائے نیکر کے کنارے پر (ایک شام) '' ابر ، جگنو ، گورستان شاہی کے بعض حصے فارسی میں ''جوئے آب '' (پیام مشرق) وغیرہ مگر اقبال اشیائے کائنات کی توصیف ، محض حسن کی خاطر نہیں کرتے ماسوا اولین رومانی دور کی بعض نظموں کے ''وہ نیچر کی توصیف کو عموماً انکشاف حقیقت یا جستجوئے حقیقت کا ذریعہ بناتے ہیں ۔ (۲۶ (

اقبال کی نظم ''پھول کا تحفہ عطا ہونے پر'' میں رومانی انداز فکر جھلکتا ہے جس کا پورا پس منظر پروفیسر محمد عثمان کے مقالے ''حیات اقبال کا جذباتی دور ''میں موجود ہے:

وہ مستِ ناز جو گلشن میں جا نکلتی ہے
کلی کلی کی زباں سے دعا نکلتی ہے
الٰہی! پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے
کلی سے رشکِ گل آفتاب مجھ کو کرے

یہ اشعار اقبال کے رومانوی جذبوں کے امیں ہیں:

مرا کنول کہ تصدق ہیں جس پہ اہلِ نظر
مرے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر
کبھی یہ پھول ہم آغوشِ مدعا نہ ہوا
کسی کے دامنِ رنگیں سے آشنا نہ ہوا

''اقبال کی اس نظم کے یہ اشعار جرمن شاعر رمکے کے عام رحجان شعری کی یاد دلاتا ہے اور ہائنے کی رومانویت بھی '' (۲۷) اقبال کا مجموعہ کلام ''بال جبریل '' نغمہ و سرود کا نقطہ سر بلندی ہے اور بہار یہ غزل کی یہ بہترین مثال ہے:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن
پھول ہیں گلشن میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے ، نیلے نیلے ، پیلے پیلے ، پیر ہن

اقبال کے رومان پر ور فطرت کے رنگ میں رنگے ہوئے اشعار ان کی بلندی فکر کا مظہر ہیں ''ساقی نامہ '' کی تمہید ہی عروج پر دکھائی دیتی ہے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
اِرم بن گیا دامن کوہسار
گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن

جہاں تک رومانی انداز بیان کا تعلق ہے اقبال فلسفے کی معاونت سے اپنے انداز حسن میں نکھار پیدا کرکے میدان سخن وری میں بلند مقام پر متمکن ہیں اقبال کے ذوق حسن کا آغاز فطرت سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا خالق حسن کی تلاش پر ہوتی ہے ان کی آنکھوں سے زیادہ ان کے دل نے فطرت کے حسن کو پیا تھا (۲۸) یہ امر مسلم ہے کہ دنیائے سخن میں اقبال بطور شاعر فطرت و رومان عظیم تر مقام پر متمکن رہے گا اور ہر دوران سے فیض یاب ہوتا رہے گا۔

حوالہ جات:

(1) H.L.LUCAS, THE DECLINE AND FALL OF THE ROMANTIC IDEAL, P-18

۲) انور سدید ، اقبال کے کلاسیکی نقوش، ص ۸۰

(3) H.L.LUCAS, THE DECLINE AND FALL OF THE ROMANTIC IDEAL, P-18

۴) محمد حسن ، ڈاکٹر، اردو ادب میں رومانوی تحریک ، ص ۷

۵) انور سدید ، کتاب مذکور ،ص ۸۳

۶) یونس حسنی ، ڈاکٹر ، ''اختر شیرانی کی رومانی شاعری''، مشمولہ رسالہ اردو، ص ۳۹

۷) سید عبداللہ ، ڈاکٹر ، ''رومانویت'' ، مشمولہ ادب لطیف، جوبلی نمبر، ص ۹

(8) FRANK KARMODE, ROMANTIC IMMAGE, P. 5.

۹) انور سدید ، کتاب مذکور ، ص ۸۹

۱۰) ایضاً ، ص ۸۳

۱۱) انور سدید ، (مقالہ) ''اردو ادب کی چند فکری تحریکیں''، مشمولہ ماہ نو، '(جلد اول) چالیس سالہ مخزن

۱۲) ایضاً ، ص ۳۰۸، ۳۰۹

۱۳) انور سدید ، کتاب مذکور ، ص ۹۵

۱۴) ایضاً ، ص ۹۸

۱۵) ایضاً ، ص ۱۰۰

۱۶) ایضاً ، ص ۱۰۲

۱۷) ایضاً ، ص ۱۰۹

۱۸) خان ، یوسف حسین ، روح اقبال ،ص ۸۴

۱۹) ایضاً ، ص ۱۰۳

۲۰) عبدالمغنی ، ڈاکٹر ، اقبال کا نظام فن، ص ۱۹۴

۲۱) ایضاً ، ص،۱۹۷

۲۲) جابر علی سید ، ڈاکٹر، اقبال ایک مطالعہ، ص ۷۰

۲۳) ایضاً ، ص، ۸۸

۲۴) سید عبداللہ ، مسائل اقبال ، ص ۲۷۷

(25) STUDY IN EUROPEAN LITERATURE BY JANKS LAVERIN, P 24-25

۲۶) سید عبداللہ ، کتاب مذکور ، ص ۲۸۸

۲۷) جابر علی سید ، ڈاکٹر ، کتاب مذکور، ص ۶۷

۲۸) سلیم اختر ، پروفیسر ، اقبال کا ادبی نصب العین ، ص ۲۰۲

/……/